ماہنامہ

نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ پاکستان

اگست ۲۰۱۱ء

مفسر قرآن حضرۃ مولانا

صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

بانی

ادارہ نشرواشاعت

جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان

مولانا حافظ عبد القدوس قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

آفتاب تحقیق کی تحقیقی کرنوں کا انکار

(ایک غیر مقلدانہ جسارت)

شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمد صاحب ؒ کے جنازہ سے فارغ ہو کر خانقاہ سراجیہ کندیاں سے واپس آرہے تھے کہ دوران سفر ہی کسی صاحب نے فون پر میرے ہم سفر حاجی محمد فیاض صاحب مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کو ایک رسالہ میں شائع ہونے والے مضمون کی جانب توجہ دلائی تو حاجی صاحب نے اس سے کہا کہ وہ رسالہ ہمارے ہاں نہیں آتا اس لئے ہم اس مضمون کو نہیں پڑھ سکے، آپ اس مضمون کی فوٹو سٹیٹ کروا کر ہمیں بھیج دیں تا کہ ہم اس کو پڑھ کر اس پر کوئی تبصرہ کر سکیں، چند دن بعد اس صاحب نے مضمون کی فوٹو سٹیٹ بھیجنے کی بجائے اصل رسالہ ہی حاجی صاحب کو بھیج دیا، انہوں نے مضمون پڑھا وہ اس پر خود بھی احسن انداز میں تبصرہ کر سکتے تھے مگر انہوں نے کسی مصلحت کے تحت رسالہ مجھے بھیج دیا تا کہ میں اس مضمون نگار کا تعاقب کروں، گونا گوں مصروفیات اور بیماریوں کے باعث فی الفور توجہ نہ دی جا سکی اور نہ ہی تبصرہ کی غرض سے اس مضمون کا مطالعہ کیا جا سکا، وہ رسالہ فائل میں پڑا رہا اور بندہ فرصت کے لمحات کا انتظار کرتا رہا، اس دوران کئی حضرات بار بار توجہ دلاتے رہے مگر ہر کام کا وقت مقرر ہے جب اس کام کی تکمیل کا وقت آتا ہے تو اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔

حال ہی میں کچھ فرصت نکال کر رسالہ دیکھا تو وہ احناف دشمنی کی بھٹی میں آگ بگولا غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی صاحب کے ماہواری الحدیث کا مئی ۲۰۱۰ء کا شمارہ تھا اور مضمون بھی ان کا اپنا ہی تھا جو انہوں نے ایک بے نام ونشان سائل کے جواب میں لکھا تھا، مضمون پڑھ کر ہمیں اسی طرح تعجب ہوا جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک سائل کے سوال پر ہوا تھا جب اس نے مچھر مارنے پر اس کے کفارہ کے بارہ میں

پوچھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کے نواسے کو شہید کر دیا تو پرواہ نہ کی مگر مچھر مارنے پر کفارہ کا پوچھ رہا ہے۔ (بخاری ص ۸۸۶ ج ۲) ہمیں تعجب ہوا کہ زبیر علی زئی صاحب جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ طبقہ تو قراۃ خلف الامام کے مسئلہ میں نماز جیسے اہم معاملہ میں حضور علیہ السلام کی جانب منسوب حدیث میں اپنے نظریہ کا مدار محمد بن اسحاق کی روایت پر رکھے ہوئے ہیں جس کو کذاب اور دجال تک کہا گیا ہے، وہاں ان کو کوئی خیال نہیں آتا مگر ایک مسلمہ علمی شخصیت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت پر مشتمل روایات میں وہ ضعیف اور کمزور راویوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ نہ تو وہ احادیث ہیں اور نہ ہی ان میں حلال وحرام کا مسئلہ ہے کہ شدت سے کام لیا جائے اور نہ ہی ان پر نظریہ کا مدار ہے، اگر وہ روایات نہ بھی ہوں تب بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی فضیلت مسلّم ہے۔

قارئین کرام! علی زئی صاحب سے اس بے نام ونشان سائل نے پوچھا کہ دیوبندی رسالے الشریعہ کا سرفراز خان صفدر نمبر میں ڈاکٹر انوار احمد اعجاز نے سرفراز خان کے بارے میں لکھا ہے امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر کا نام نامی ملت اسلامیہ میں اپنے تحقیقی وعلمی کام کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا، آپ نے ۵۰ کے قریب کتب یادگار چھوڑی ہیں جن کا علمی وتحقیقی معیار نہایت بلند ہے لیکن احسن الکلام، تسکین الصدور، اظہار العیب، الکلام المفید، راہ سنت، شوق حدیث، طائفہ منصورہ اور مقام ابی حنیفہ میں جس انداز سے علمی وتحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کی بدولت ان تصنیفات نے برصغیر کے بھی دینی مفکرین سے بے پناہ داد پائی، خاص طور پر مقام ابی حنیفہ تو ایک شاہکار ہے کہ اس کی نظیر شاید ہی پیش کی جا سکے، پھر سائل نے دریافت کیا کہ کیا درج بالا باتیں صحیح ہیں اور کیا واقعی مقام ابی حنیفہ نامی کتاب میں علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے؟ غیر جانبدارانہ تحقیق اور انصاف سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیرا (ایک سائل)

اس کے جواب میں علی زئی صاحب نے انتہائی متعصبانہ اور متشددانہ انداز اختیار کرتے ہوئے حضرت امام اہل سنت کی علمی وتحقیقی حیثیت سے سراسر انکار کر دیا پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لکھا کہ اسی ایک حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ آل دیوبند کا اوڑھنا بچھونا کذب وافتراء اور تہمت برابر یاء ہے، علی زئی صاحب جیسے حضرات کے بارہ میں عموماً علماء کرام فرمایا کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ واذا خاطبهم الجاهلون

قالوا اسلاماً والا معاملہ ہی کرنا چاہیے مگر قرآن کریم میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا گیا ہے والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۳۸) جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم نے بدلہ میں علی زئی صاحب جیسا انداز اختیار نہیں کیا بلکہ صرف قارئین کرام کو ان کا اصلی چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے، جن حضرات نے ان کی کتابوں اور ان کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان کا دیگر احناف کے بارہ میں عموماً اور حضرت امام اہل سنت کے بارہ میں خصوصاً بھی متشددانہ، متعصبانہ اور گستاخانہ انداز ان کی تمام تحریرات میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اپنے بے لگام قلم کو ہاتھ میں لے کر عالم مستی میں فی کل واد یھیمون کی منازل طے کرتے ہوئے وہ کچھ لکھ دیتے ہیں کہ بسا اوقات خود ان کے ہم مسلک حضرات کو بھی ان کا تعاقب کرنا پڑتا ہے اور احناف میں مولانا عبدالغفار صاحب ذہبی، مولانا رب نواز صاحب سلفی، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا حماد صاحب لاہور اور مناظر اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب وغیرہم جیسے حضرات نے علی زئی صاحب کا احسن انداز سے تعاقب کر رکھا ہے ان حضرات کی تحریرات کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، علی زئی صاحب نے اگر امام اہل سنت کی علمی و تحقیقی حیثیت کا انکار کیا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ اس دنیا میں نصف النہار میں چمکتے سورج کا انکار کرنے والی مخلوق بھی موجود ہے، حیرانگی کی بات یہ ہے کہ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی مسلّمہ علمی شخصیت پر ناقدانہ قلم وہ شخص اٹھا رہا ہے جس کو اپنے استاد کے بیان کردہ قاعدہ کی صحیح تعبیر کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔

علی زئی صاحب نے لکھا کہ ہمارے استاد حافظ عبدالمنان نور پوری فرماتے ہیں کسی شیئ کا مذکور و منقول نہ ہونا اس شیئ کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ (نور العینین ص ۵۷ طبع دوم) اس کا مطلب یہ ہے کہ عدم ذکر نفی شیئ کو مستلزم نہیں، اگرچہ یہ قاعدہ امام بخاریؒ اور علامہ ابن حجرؒ کے طریق استدلال کے خلاف ہے مگر یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ استاد صاحب نے کیا کہا اور علی زئی صاحب اس کی تعبیر کیسے کر رہے ہیں، جب علی زئی صاحب خود اس قاعدہ کی تعبیر کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں، عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کو انہوں نے ص ۵۷، ۴۷، ۱۰۸، ۱۴۸ میں اسی طرح ذکر کیا ہے، استاد صاحب نے بتایا ہے کہ عدم ذکر نفی شیئ کو مستلزم نہیں مگر علی زئی صاحب اس کی تعبیر کرتے ہیں عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، یہ الگ بحث ہے کہ عدم

اور نفی میں کوئی فرق ہے یا نہیں اس کا علی زئی صاحب کے استاد صاحب کے بتائے ہوئے اصول سے کوئی تعلق نہیں ،علی زئی صاحب کی تعبیر اور ان کے استاد صاحب کے بتائے ہوئے اصول کے مفہوم میں بعد المشر قین ہے،ان کے استاد زندہ ہیں غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اصول کی درست تعبیر معلوم کریں۔

پھر علی زئی صاحب کی حالت اس اندھے حافظ جیسی ہے جس کی لونڈی گم ہوگئی تو اس نے راہ چلتی ایک عورت کو پکڑ کر بازوؤں میں دبوچ لیا کہ یہ میری لونڈی ہے،وہ بے چاری چیختی رہی اور آس پاس کے لوگ کہتے رہے کہ حافظ یہ تیری لونڈی نہیں ہے مگر حافظ بازوؤں کا گھیرا ڈھیلا کرنے کی بجائے مزید سخت کرتا جاتا، علی زئی صاحب بھی خوامخواہ کسی حدیث کو اپنی دلیل بنانے پر مُصر ہو جاتے ہیں،مثلاً رفع یدین کے باب میں فقہاء کرام کا ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد نہیں بلکہ سجدہ میں جاتے وقت سجدہ کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہے اور وہ دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو معجم طبرانی وغیرہ میں ان الفاظ کے ساتھ آتی ہے، كان يرفع يديه عند التكبير للركوع وعند التكبير حين يهوى ساجداً کہ حضرت ابن عمر رکوع کی تکبیر کے وقت اور سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے،حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک میں اور مولانا محمد یوسفؒ نے امانی الاحبار میں اور دیگر حضرات نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ان حضرات کی دلیل ہے جو سجدہ کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے قائل ہیں مگر علی زئی صاحب نے اندھے حافظ کی طرح دبوچ لیا کہ یہ میری دلیل ہے اور اس کو اپنے نظریہ پر دلیل کے طور پر پیش کیا، حالانکہ خود روایت کے الفاظ پیش کئے وعند التكبير حين يهوى ساجدا. (نور العینین ص ۷۵)

یہ الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حافظ صاحب ہم تمہاری دلیل نہیں اور شراح حدیث بھی فرما رہے ہیں کہ یہ ان کی دلیل نہیں مگر مجال ہے کہ اندھے حافظ کی طرح حافظ علی زئی صاحب اپنی گرفت ڈھیلی کریں، اس روایت کو اپنی دلیل بنانے میں علی زئی صاحب کو اپنے مسلک کا بھی لحاظ نہیں رہا اس لئے کہ ان کے ہاں رکوع سے اٹھنے اور سجدہ کو جانے کے درمیان قومہ فرض ہے۔(ملاحظہ ہو صلوۃ الرسول ص ۲۲۷)

جب علی زئی صاحب کے نظریہ اور حدیث کے الفاظ پر عمل کے درمیان ایک فرض حائل ہے تو اس کے

باوجود اس روایت کو اپنی دلیل بنانے پر اصرار کو اندھے حافظ کے دیو چنے کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

قارئین کرام! جہاں تک حضرت امام اہل سنت کی علمی و تحقیقی خدمات کا تعلق ہے تو اس کو صرف اکابر علماء دیوبند نے ہی نہیں سراہا بلکہ حضرت امام اہلسنت سے اختلاف رکھنے والوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے، علی زئی صاحب کے ہم مسلک اور ان کے ممدوح علماء میں شمار مولانا ارشاد الحق صاحب اثری جنہوں نے جارحانہ انداز میں ہی نہیں بلکہ ظالمانہ انداز میں حضرت امام اہل سنت کی کتابوں پر تنقید کی ہے (جس کا بفضلہٖ تعالیٰ بر وقت احسن انداز میں تعاقب کیا گیا) وہ اثری صاحب بھی حضرت امام اہل سنت کی علمی و دینی خدمات کا برملا اعتراف کرتے ہیں، ایک مقام میں لکھتے ہیں عصر حاضر میں جو حضرات تحریراً خدمت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان میں ایک دیوبندی مکتب فکر کے نامور عالم دین حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر (شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) ہیں جو ماشاء اللہ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، پھر آگے دوسرے مقام میں لکھتے ہیں ہم بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہیں (مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص ۱۴ اور ص ۱۸) اثری صاحب نے ایک کتاب توضیح الکلام لکھی جس میں انہوں نے حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا ہی رد لکھا ہے، جب اپنی کتاب حضرت امام اہل سنت کی جانب بھیجی تو کتاب کے اول صفحہ پر یہ الفاظ لکھے اقدم الی العالم الجلیل فضیلۃ الشیخ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر، ارشاد الحق اثری۔ یعنی میں یہ کتاب بہت بڑے عالم بہت بڑے شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، پھر اثری صاحب نے حضرت امام اہل سنت کی وفات پر حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب دام مجدہم کے نام جو تعزیتی تحریر بھیجی اور الشریعۃ کی خصوصی اشاعت بیاد امام اہل سنت میں شائع ہوئی اس میں لکھا، حضرت کے انتقال کا صدمہ آپ کے اہل خانہ کا اور احباب و متوسلین نصرۃ العلوم کا ہی نہیں بلکہ تمام اہل توحید کا صدمہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت مرحوم کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور بشری کمزوریوں کو اپنے عفو و کرم کی بنا پر معاف فرمائے۔ آپ اور آپ کے علاوہ ہزاروں ان کے تلامذہ یقیناً ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں اور اجر و ثواب میں رفع درجات میں اضافے کا باعث ہیں۔ (الشریعۃ امام اہل سنت نمبر ص ۸۰۳)

علی زئی صاحب ہی کے ہم مسلک ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب نے ان الفاظ سے تعزیتی تحریر بھیجی، عظیم

الشان علمی شخصیت کا اس دنیا سے اٹھ جانا یقیناً مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَم کے مصداق بھی حلقوں اور طبقات کے لئے بڑے المیہ سے کم نہیں، انہوں نے اپنی پوری زندگی تدریس و تعلیم اور نشر و فروغ اسلام میں کھپا دی، انہوں نے نورانی کرنوں کو ہر سو بکھیر اور بہت سے چراغ روشن کئے، اللہ تعالیٰ ان کی عظیم خدمات کو شرف قبولیت سے نوازیں، ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔ (الشریعہ ص ۸۰۸)

علی زئی صاحب ہی کے ایک اور ہم مسلک مولانا محمد یاسین ظفر صاحب پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد ان الفاظ سے تعزیت کرتے ہیں، نہایت حزن و ملال کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ آپ کے والد گرامی ممتاز عالم دین مولانا سرفراز خان صفدر رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی دینی، دعوتی، تعلیمی، تدریسی اور علمی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ (الشریعہ ص ۸۱۰)

ان حضرات کے علاوہ بھی حضرت امام اہل سنت کی وفات پر تعزیت کرنے والے علی زئی صاحب کے بے شمار ہم مسلک علماء میں ان کے استاد محترم مولانا عبدالحمید صاحب ہزاروی مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ بھی ہیں، بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے اور جمعیت اشاعۃ التوحید سے تعلق رکھنے والے کئی سرکردہ حضرات نے بھی حضرت امام اہل سنت کی دینی خدمات کو سراہا اس لئے عقل و ہوش کی دنیا میں علی زئی صاحب کی اس تحریر کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی، حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی جرح و تعدیل کا امام ہو مگر وہ کسی شخص یا مسلک کے بارہ میں متعصب اور متشدد ہو تو جس کے بارہ میں وہ متعصب و متشدد ہو اس کے بارہ میں اس کی جرح و تنقید کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۱۰) جب متشدد اور متعصب امام کی جرح و تنقید کا اعتبار نہیں ہوتا تو علی زئی صاحب جن کی حیثیت صرف تعصب اور حسد بھرے غبارے کی سی ہے ان کی جرح و تنقید کا اعتبار کیسے ہوسکتا ہے؟

پھر یہ بھی حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ اگر جرح و تنقید کرنے والا بذات خود مجروح ہو یعنی اس پر جرح کی گئی ہو تو اس کی جرح و تنقید کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۰۹) اور خیر سے علی زئی صاحب ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے ایک سو، ۱۰۰ سے زائد جھوٹ کا اظہار تو صرف مولانا عبدالغفار ذہبی صاحب نے کیا ہے اس کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو مناظر اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی زیر نگرانی شائع ہونے والا رسالہ قافلۂ حق، ذہبی صاحب کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے ان کے جھوٹ واضح کئے

ہیں تو حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی مسلمہ علمی شخصیت پر علی زئی صاحب جیسے آدمی کی جرح وتنقید کا اعتبار کون کرسکتا ہے اجمالی طور پر تو علی زئی صاحب کے مضمون کا اتنا جواب ہی کافی ہے مگر ہم ذرا تفصیل سے ان اعتراضات پر تبصرہ بھی ضروری سمجھتے ہیں جو انہوں نے اپنے اس مضمون میں مقام ابی حنیفہ کی دس عبارات پر کئے ہیں۔

پہلی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے محدث اسرائیل فرماتے تھے کہ نعمان بن ثابت کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث وتمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فقہ کی تہ تک پہنچتے تھے۔ (بغدادی ص ۳۳۹ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۲۷ نیز دیکھئے ص ۱۱۲) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں عرض ہے کہ تاریخ بغداد (ص ۳۳۹ ج ۱۳ ات ۷۲۹۷) اور کتاب اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصمیری ص ۹ کی اس روایت کی سند میں ابوالعباس احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی المعروف بابن عطیہ راوی ہے، پھر علی زئی صاحب نے ابن الصلت کے کذاب اور وضاع ہونے کے محدثین کرام سے دس حوالے پیش کر کے لکھا کہ اس کذاب و وضاع کی روایت کو بطور حجت پیش کر کے سرفراز خان (صاحب) نے علمی وتحقیقی اور فنی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کذب نوازی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ (ماہنامہ الحدیث ص ۱۲ تا ص ۱۴)

الجواب

قارئین کرام! غیر مقلدین کی حالت یک چشم گل (ایک آنکھ والا) جیسی ہے جس کو ایک ہی طرف کی چیزیں نظر آتی ہیں اور دوسری طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے، غیر مقلدین کو بھی اپنے مطلب کی چند احادیث اور مطلب برآری کے بعض قواعد ہی نظر آتے ہیں، احادیث کے باقی تمام ذخیرہ اور قواعد کو وہ اپنی تعصب کے باعث بند آنکھ کی نذر کر دیتے ہیں، علی زئی صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے ابتداء مضمون میں اپنے قارئین کو اعتماد دلانے کے لئے لا یجر منکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا (الآیہ) کو بڑے طمطراق انداز میں پیش کیا ہے مگر عملاً انہوں نے تعصب کے دریا میں غوطہ لگا کر اس آئت کے مفہوم کی جو دھجیاں بکھیری ہیں وہ ان کا مضمون پڑھنے والے حضرات ہی جان سکتے ہیں۔

حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ کسی روایت کے مفہوم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حکم لگانے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام اسناد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، کسی ایک سند کو ملحوظ رکھ کر حکم صادر نہیں کیا جاتا مگر علی زئی صاحب نے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اس کی صرف ایک سند کی وجہ سے اس روایت کو موضوع اور متروک قرار دے دیا حالانکہ قواعد کی روشنی میں اس روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے اس لئے کہ حضرات محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق موضوع وہ روایت ہوتی ہے جس میں وضاع اور کذاب اور متھم بالکذب راوی اکیلا ہو یعنی وہ روایت اسی راوی سے مروی ہو کسی اور راوی سے ثابت نہ ہو (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۹) جب کہ یہ روایت احمد بن محمد بن الصلت کی سند کے علاوہ بھی ثابت ہے جیسا کہ امام ابن عبد البر المالکیؒ نے محدث اسرائیل کو امام اعظمؒ کی تعریف کرنے والوں میں شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو الانتقاء ص ۲۱۴) اور امام عبد البر المالکیؒ کی سند میں ابن الصلت راوی نہیں ہے، اس لئے قاعدہ کے مطابق اس روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط اور سراسر تعصب ہے، زیادہ سے زیادہ اس روایت کو سند کے لحاظ سے ضعیف کہا جا سکتا ہے اور محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق سند کے لحاظ سے ضعیف ہر روایت ناقابل احتجاج نہیں ہوتی بلکہ کئی صورتوں میں سند کے لحاظ سے ضعیف روایت بھی قابل احتجاج ہوتی ہے خصوصاً جبکہ اس کی صحت کا کوئی قرینہ پایا جاتا ہو، ان صورتوں میں ایک صورت یہ ہے کہ اس روایت کا مفہوم نفس الامر یعنی حقیقت کے مطابق ہو اور مذکورہ روایت نفس الامر کے مطابق ہے اس لئے کہ گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر باقی ساری امت خواہ احناف ہوں کہ غیر احناف ہوں مقلد ہوں یا غیر مقلد ہوں سب ہی امام ابو حنیفہؒ کو مجتہد تسلیم کرتے ہیں اور مجتہد اسی کو کہا جاتا ہے جو احکام کے ماخذ کو پوری طرح جانتا ہو اس کی تفصیل جاننے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب عقد الجید میں مذکور حقیقت اجتہاد کی بحث کا مطالعہ کرنا چاہیے، اور احکام کے بنیادی ماخذ تو قران اور احادیث ہی ہیں اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور وہ احادیث جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان کا جاننا مجتہد کے لئے ضروری ہے، اگر محدث اسرائیل کی روایت میں امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی تو محدث اسرائیل کا قول نفس الامر کے مطابق ہے اگر محدث اسرائیل کا یہ قول نہ بھی ہوتا تو امام ابو حنیفہؒ کو مجتہد ماننے والے بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ

احکام کو ثابت کرنے والی قرآنی آیات اور احادیث کو خوب جانتے تھے اور محدث اسرائیل اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کا یہ قول ثابت ہے بے شک اس کی سند ضعیف ہے، امام حنیفہؒ کا علمی مقام ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کا اعتراف غیر مقلدین حضرات کو بھی ہے جیسا کہ ان کے ایک مفتی صاحب لکھتے ہیں، حضرت الامام ابوحنیفہؒ کا علم وفضل زہد وتقویٰ دِقت نظر وسعت ادراک اسلام اور اس کی مصالح کے متعلق ان کے گہرے احساسات تاریخ اور علم رجال کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۵ ج ۳) اور حضرات محدثین کرام کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ روایت کی سند بے شک ضعیف ہو مگر اس کو تعامل امت یا بعض اہل علم کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہو تو وہ قابل احتجاج ہوتی ہے اور تعامل امت کی وجہ سے ضعیف روایت کا قابل احتجاج ہونا غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے جیسا کہ ان کے مفتی حضرات نے لکھا ہے، ایک جگہ لکھا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۱۰ ج ۱) دوسری جگہ لکھا ہے پس ضعف سند سے جو اس حدیث میں کمی آگئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہوگئی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۱۶۶) ایک اور مقام میں لکھا ہے ضعیف حدیث کی تائید اقوال صحابہ یا تعامل امت سے ہو تو اس میں تقویت آجاتی ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۲۱۲) اس قاعدہ سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اگر کوئی روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہو مگر اس کے مطابق بعض اہل علم کا عمل ہو یا نظریہ کے لحاظ سے تائید حاصل ہو تو وہ روائت قابلِ حجت ہوتی ہے اور محدث اسرائیل کے قول کو صرف احناف کی ہی نہیں بلکہ شوافع حضرات کی تائید بھی حاصل ہے جن کی نمائندگی امام سیوطیؒ نے کی ہے اور مالکیہ کی تائید بھی حاصل ہے جن کی نمائندگی علامہ ابن عبدالبرؒ اور علامہ ابن حجر الہیثمیؒ وغیرہ نے کی ہے جب سند کے لحاظ سے کمزور روایت بعض اہل علم کے قبول کرنے کی وجہ سے قابل حجت ہوتی ہے تو جس روایت کو امت کی اکثریت نے قبول کیا ہو اس کے قابل حجت ہونے میں اس شخص کے سوا اور کون تردد کر سکتا ہے جس کی آنکھوں میں تعصب کا موتیا چھایا ہوا ہو، باقی رہا یہ اعتراض کہ جب تاریخ بغداد کی سند میں ابن الصلت وضاع اور کذاب راوی ہے تو اس کی سند والی روایت کیوں نقل کی ہے دوسری سند سے نقل کیوں نہیں کی تو ہماری اس مذکورہ بحث سے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ جب روایت قابل حجت ہوتی ہے تو اس میں راوی کی حیثیت وضاع اور کذاب کی

نہیں بلکہ ضعیف راوی کی ہوتی ہے اور ایسی روایت کو حوالہ میں پیش کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

دوسری عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا عبداللہ بن ادریس ایک موقع پر امام ابوحنیفہؒ کی آمد پر ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوگئے اس پر ان کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابوبکر بن عیاش بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس شخص کے لئے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے اگر میں ان کے علم کے لئے نہ کھڑا ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ بھی نہ کرتا تو قمت لفقھہ (ان کی فقہ کے لئے کھڑا ہوتا) اگر فقہ کے لئے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان کے زہد کے لئے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد ص ۳۴۱ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۷۵) علی زئی صاحب نے اس کے راویوں پر جرح کرتے ہوئے لکھا کہ اس کا ایک راوی ابن عقدہ ہے پھر اس پر جرحی اقوال نقل کئے اور بعض دیگر راویوں پر بھی جرح نقل کر کے لکھا، خلاصہ یہ کہ یہ روایت ابن عقدہ رافضی اور چور کی وجہ سے موضوع ہے۔ (ص ۱۴ تا ۱۶)

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ علی زئی صاحب نے محدث عبداللہ بن ادریس کو اپنا ہم کلاس سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح مجھے بڑوں کی تعظیم وتکریم کی تعلیم نہیں دی گئی اسی طرح ان کی بھی حالت تھی، اسی وجہ سے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے اس مضمون میں بھی حضرت امام اہل سنتؒ کے بارہ میں انتہائی گستاخانہ انداز اختیار کیا ہے نہ یہ لحاظ رکھا کہ وہ ہزاروں علماء وفضلاء کے استاد تھے، ہزاروں مریدوں کے شیخ ومربی تھے اور نہ ہی یہ لحاظ رکھا کہ وہ عمر کے لحاظ سے ان کے والد گرامی سے بھی بڑے تھے مگر علی زئی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن ادریس محدث تھے اور من لم یوقر کبیرنا فلیس منا جیسی احادیث پڑھتے پڑھاتے تھے، اس لئے آپ ان کو اپنے آپ پر قیاس نہ کریں، مذکورہ روایت میں عبداللہ بن ادریس محدث کی جانب سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پایۂ علم، فقہی مقام، زہد میں مرتبہ اور عمر میں بڑا ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے اور یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے جیسا کہ غیر مقلد مفتی صاحب کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، اور پہلے یہ قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اگر کوئی روایت نفس الامر کے مطابق ہو اور اہل علم کا اس کے مطابق عمل یا نظریہ ہو تو وہ روایت

قابل حجت ہوتی ہے، اور محدث عبداللہ بن ادریس کی جانب سے امام اعظم کے مرتبہ کا اعتراف نفس الامر کے مطابق ہے اور امت کی اکثریت اس کو تسلیم کرتی ہے تو سند میں کمزوری کے باوجود یہ روایت محدثین اور فقہاء کے قواعد کے مطابق قابل حجت ہے۔

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا کہ غیر مقلدین کی حالت یک چشم گل جیسی ہے علی زئی صاحب نے یہاں اسی کا مظاہرہ کیا ہے کہ تعصب کی وجہ سے ان کو ابن عقدہ کے بارہ میں صرف جرح ہی نظر آئی ہے اور دوسری جانب یہ نظر نہیں آیا کہ امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب التعقبات میں لکھا ہے کہ **ابن عقدہ من کبار الحفاظ وثقہ الناس وما ضعفہ الا متعصب** (بحوالہ تانیب الخطیب ص ۲۲۸) کہ ابن عقدہ بڑے حفاظ میں سے ہے لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کو صرف متعصب نے ہی ضعیف کہا ہے، امام سیوطیؒ کے اس ارشاد کی روشنی میں علی زئی صاحب کا ابن عقدہ کی وجہ سے روایت کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے، پھر محدثین کے قاعدہ سے آنکھیں بند کر کے ہی علی زئی صاحب نے اس روایت کو موضوع کہا ہے اس لئے کہ محدثین کرام اس روایت کو موضوع کہتے ہیں جس میں وضاع اور کذاب راوی اکیلا ہو جبکہ خود علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ **اخبار ابی حنیفة للصمیری** میں اس روایت کی ایک اور سند ہے" (ص ۱۶) اور جو سند انہوں نے پیش کی ہے اس میں ابن عقدہ نہیں ہے تو محدثین کے قاعدہ کے مطابق اس کو موضوع کہنا بالکل غلط ہے، باقی رہا یہ کہ اس دوسری سند میں بھی ایسا راوی ہے جس کو وضاع کہا گیا ہے تو ہر روایت میں اگرچہ ایسا راوی ہے جس کو وضاع کہا گیا ہے مگر وہ راوی روایت کرنے میں اکیلا نہیں ہے جبکہ موضوع روایت کے لئے شرط ہے کہ وضاع راوی اکیلا ہو تو ایسی روایت کو موضوع نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ سند کے لحاظ سے ضعیف کہا جا سکتا ہے جو دیگر قواعد کو ساتھ ملا کر قابل حجت ہے، پھر اس بحث میں علی زئی صاحب نے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام اعظمؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد کو ضعیف ظاہر کیا ہے حالانکہ وہ محدثین کرام کے ہاں ثقہ راوی ہیں۔

تیسری عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں، سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے ابو مسلم المستملی نے امام ابو خالد یزید بن ہارون سے دریافت کیا کہ آپ کی ابو حنیفہ اور ان کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں کسی ایک کو بھی ایسا

نہیں پایا جوان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو (مقام ابوحنیفہ ص ۷۶ بحوالہ تاریخ بغداد ص ۳۴۲ ج ۱۳) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ روایت میں احمد بن محمد بن الصلت کذاب ہے دیکھئے روایت نمبر ۱، عبداللہ بن محمد الحلوانی بھی کذاب ہے دیکھئے روایت نمبر ۲ یعنی یہ روایت موضوع ہے۔

الجواب

اس سے قبل کئے گئے اعتراض کے جواب میں واضح کیا گیا ہے کہ امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن محمد الحلوانی المعروف بابن عقدہ کو صرف متعصب نے ہی ضعیف کہا ہے اور اس کی توثیق بہت سے لوگوں نے کی ہے، اس لئے اس روایت کو موضوع قرار دینا علی زئی صاحب کا نرا تعصب ہے، پھر یہ روایت حدیث نہیں اور نہ ہی حلال وحرام کے مسئلہ میں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت میں مقام کے بارہ میں ہے جو ایک مسلمہ حقیقت ہے اور خود علی زئی صاحب کو تسلیم ہے کہ امام یزید بن ہارون نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں امام یزید بن ہارونؒ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو ابوحنیفہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور زیادہ پرہیزگار کوئی دوسرا نہیں دیکھا، معلوم ہوا کہ امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہ کی تعریف ثابت ہے لیکن صریح توثیق ثابت نہیں، واللہ اعلم (ص ۱۷) اگر علی زئی صاحب نے تعصب کی عینک آنکھوں پر نہ رکھی ہوتی تو ان کو نظر آجاتا کہ امام اہل سنتؒ کی پیش کردہ عبارت میں بھی امام یزید بن ہارون سے امام اعظم کی تعریف ہی ثابت ہے، اس عبارت کو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے فقاہت میں مقام کے ضمن میں ذکر کیا ہے جبکہ امام صاحب کی ثقاہت کی بحث آگے جا کر کی ہے جب علی زئی صاحب کو اعتراف ہے کہ امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہ کی تعریف ثابت ہے اور مذکورہ عبارت بھی فقہی مقام کے بارہ میں ہے تو اس کے باوجود اعتراض کو جہالت یا تعصب کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ بڑے لوگ سچ کہتے ہیں کہ آدمی کو زیادہ غصہ نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ غصہ میں بعض دفعہ ایسی باتیں کہہ دیتا ہے جو اس کے اپنے ہی خلاف ہوتی ہیں، علی زئی صاحب نے بھی غصہ میں ایسا ہی کیا، یہ بھی نہ سوچا کہ میرا کہا ہوا میرے اپنے خلاف ہی جا رہا ہے، علی زئی صاحب نے اعتراض کیا کہ یزید بن ہارون سے امام اعظم کی صریح توثیق ثابت نہیں اس لئے سرفراز خان صفدر کا یہ عبارت لانا درست نہیں حالانکہ نہ امام اہل سنت نے اس عبارت کو توثیق کے باب میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی اس مقصد کے لئے عبارت ذکر کی ہے مگر علی زئی صاحب نے خود جو عبارت ذکر کی ہے اس

میں امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہؒ کی صریح توثیق ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ حضرات محدثین کرام نے تعدیل کے جو کلمات ذکر کئے ہیں اگر ان کلمات کو اسم تفضیل کے صیغہ سے کسی کی وصف بیان کی جائے تو یہ تعدیل کا پہلا مرتبہ ہوتا ہے اور تعدیل کے کلمات میں خِیَارُ الْخَلْق بھی ہے یعنی مخلوق میں فضیلت والا (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۱) علی زئی صاحب نے امام یزید بن ہارون کے فرمان میں امام ابوحنیفہ کے بارہ میں افضل الناس اور اورع الناس ہونا ثابت کیا ہے اس سے زیادہ صریح توثیق اور کیا ہوگی؟ حضرت امام اہل سنت کی تردید کرتے کرتے غصہ میں علی زئی صاحب نے خود ہی اپنے خلاف ہتھیار مہیا کر دیا اور یقیناً یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام اہل سنت کی کرامت ہی ہے۔

چوتھی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے کہا امام عبداللہ بن المبارک کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیر ببر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحک تعجب ہے تجھ پر، تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضوء سے پڑھی ہیں اور جو رات کو پورا قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کرتا رہا ہے۔ (بغدادی ص ۳۵۵ ج ۱۳ و مناقب موفق ص ۲۳۶ ج ا و تبییض الصحیفہ ص ۳۵) (مقام ابی حنیفہ ص ۷۹، ص ۸۰) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں مجہول راوی ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت موضوع ہے۔

الجواب

حضرات محدثین کرام تو مجہول راوی سے مروی روایت کو ضعیف کہتے ہیں مگر علی زئی صاحب ان کی پرواہ کئے بغیر اس کو موضوع قرار دے رہے ہیں، پھر اس روایت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت کا اعتراف ہے اور عبداللہ بن لمبارک سے دیگر روایات میں بھی امام ابوحنیفہؒ کی عبادت کا ذکر موجود ہے، امام ابوحنیفہؒ کی جس انداز سے عبادت کا ذکر امام عبداللہ بن المبارکؒ کی روایات میں ہے اسی انداز کا ذکر مسعر بن کدامؒ، زافر بن سلیمانؒ اور عون بن عبداللہؒ جیسے حضرات کی روایات میں بھی ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی روایت کی تائید کرتی ہیں بلکہ خود علی زئی صاحب کو تسلیم ہے کہ عبداللہ بن المبارکؒ سے مروی روایات میں امام ابوحنیفہؒ کی تعریف ہے اسی لئے لکھتے ہیں ان تعریفی روایات میں صریح توثیق کا کوئی ذکر

نہیں (ص ۱۸) اگر علی زئی صاحب تعصب کی عینک اتار کر دیکھتے تو ان کو ضرور نظر آ جاتا کہ حضرت امام اہل سنتؒ نے یہ روایت تعریف کے باب میں ہی ذکر فرمائی ہے توثیق کی بحث میں اس کو ذکر نہیں فرمایا اور تعریفی روایات کا اعتراف خود ان کو بھی ہے تو اس کے باوجود اعتراض صرف اور صرف غیر مقلدانہ جسارت ہی ہو سکتی ہے، باقی رہا علی زئی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تمام روایات دوسری صحیح روایات کی رو سے منسوخ ہیں تو یہ بالکل جھوٹ ہے اس لئے کہ کسی ایک روایت سے بھی عبداللہ بن المبارکؒ سے ان روایات کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر جرأت اور اپنے دعویٰ کا پاس ہے تو علی زئی صاحب کوئی ایک روایت حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے ثابت کریں جس میں انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت اور ورع کا انکار کیا ہو، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین.

پانچویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا نظر بن شمیل فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر وخفتہ تھے، ابوحنیفہ نے ان کو جگایا ہے (بغدادی ص ۳۴۵ ج ۱۳) (مقام ابی حنیفہ ص ۸۱) اس پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ روایت میں احمد بن الصلت الحمانی کذاب ہے۔ (ص ۱۹)

الجواب

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ لوگوں کو فقہ کی جانب توجہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہی دلائی ہے اور ان سے ہی فقہ اسلامی کو عروج حاصل ہوا اور جو روایت حقیقت کے مطابق ہو اگر چہ اس کی سند کمزور ہو وہ روایت حضرات محدثین کرام کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے، جب امام ابوحنیفہؒ کی اس حیثیت کو امت مسلمہ نے تسلیم کیا ہے تو اس روایت کو تعامل امت حاصل ہے، نیز اس روایت کی تائید امام شافعیؒ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے کہ الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے خوشہ چین ہیں، جب نظر بن شمیل کا قول حقیقت کے مطابق بھی ہے اور اس پر تعامل امت بھی ہے اور اس کے مفہوم کو دیگر روایات کی تائید بھی حاصل ہے تو یہ روایت حضرات محدثین کرام کے قواعد کے مطابق قابل حجت ہے، محض سند کی کمزوری کا بہانہ بنا کر اس کو رد وہی شخص کر سکتا ہے جو صرف اپنے مرضی کے قاعدہ کو جانتا ہو اور دیگر

مسلمہ قوانین سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتا ہو۔

چھٹی عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے، محمد بن بشر کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا تو جب میں سفیان کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے تم کہاں سے آئے ہو میں کہتا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ واقعی تم تو زمین کے فقیہ تر انسان کے پاس سے آئے ہو (بغدادی ص ۳۴۴ ج ۱۳) مقام ابی حنیفہ ص ۸۰) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں عمر بن شھاب العبدی راوی ہے جس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے اور نہ کسی سے اس کی توثیق ثابت ہے لہٰذا یہ مجہول ہے، خلاصہ یہ کہ یہ روایت عمر بن شھاب کے مجہول ہونے کی وجہ سے موضوع ہے اور امام سفیان ثوریؒ سے جرح کی متواتر روایات کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے منکر و مردود ہے۔ (ص ۱۹)

الجواب

محدثین کرام کے قاعدہ کے مطابق تو مجہول راوی کی روایت کو موضوع نہیں کہتے، اس پر موضوع ہونے کا حکم صرف غیر مقلدانہ سوچ کا نتیجہ ہی ہے پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کا افقہ الناس ہونا تو مسلّم ہے، جس کا خود اعتراف کرتے ہوئے علی زئی صاحب نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا قول نقل کیا ہے **واما افقہ الناس فابو حنیفۃ** لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں۔ (ص ۱۸) نیز امام بخاریؒ کے استاد مکی بن ابراہیم نے حضرت امام صاحب کے بارہ میں فرمایا **کان اعلم اھل زمانہ** (مقدمہ اعلاء السنن ص ۸ ج ۳) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، جب محمد بن بشر کی روایت میں پایا جانا مفہوم مسلّم ہے اور اس کو دیگر روایات سے تائید بھی حاصل ہے تو اس کا انکار متعصب اور ضدی کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا، علی زئی صاحب کا یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ یہ روایت منکر اور مردود ہے اس لئے کہ امام سفیان ثوریؒ سے کسی ایک روایت میں بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس فقہی حیثیت کا انکار کیا ہے، جرأت ہے تو کوئی ایک ایسی روایت پیش کی جائے، مگر

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ساتویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ سرفراز خان صفدر نے کہا امام صدر الائمہ مکی اپنی سند کے ساتھ امام زفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل ان سے دریافت کرتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں ان کو اشتباہ ہوتا تھا اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے (مناقب موفق ص ۱۴۹ ج ۲) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۳)

اس روایت پر علی زئی صاحب نے تین اعتراضات کیے ہیں، پہلا اعتراض یہ کہ صدر الائمہ موفق مکی معتزلی اور رافضی تھا، دوسرا اعتراض یہ کے اس موفق کا استاد ابومحمد الحارثی ہے جس کے بارے میں ابوحمد الحافظ وغیرہ نے بتایا کہ وہ حدیث بناتا تھا اور تیسرا اعتراض یہ کہ حارثی کا مزعوم استاد اسماعیل بن بشر مجہول ہے، معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ (ص ۲۰)

الجواب

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صدر الائمہ معتزلی اور رافضی تھے تب بھی روایت کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ صحاح ستہ میں بلکہ صحیحین میں بیسیوں راوی ایسے ہیں جن پر معتزلی اور رافضی ہونے کا الزام ہے اس کے باوجود ان کی روایت لی جاتی ہے۔

علی زئی صاحب کا دوسرا اعترض یہ ہے کہ ابومحمد الحارثی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حدیث بناتا تھا تو عرض ہے کہ صرف ان جرحی کلمات کی جانب ہی نظر نہیں گاڑھ دینی چاہیے بلکہ ان کے بارہ میں محدثین کرام نے جو تعریفی کلمات فرمائے ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، علامہ ذہبیؒ نے قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں ان کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس سال مندرجہ ذیل علماء نے بھی وفات پائی، ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث حارثی بخاری جو استاد کے لقب سے ملقب تھے اور مسند امام ابوحنیفہ کے مؤلف ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو ص ۵۹۰، ۵۹۱، ج ۳) علامہ ذہبیؒ نے ابومحمد الحارثی

کو عالم، محدث، علامہ، امام اور استاد لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے انہیں حافظ الحدیث لکھا ہے (تعجیل المنفعۃ بحوالہ وسط ایشیاء میں فقہ حنفی کا ارتقاء ص ۲۳۴) پھر ابومحمد الحارثی پر اس جرح کا جواب عبدالقادر القرشی نے دیا ہے کہ عبداللہ بن محمد کا درجہ ان جرح کرنے والوں سے بہت بلند ہے۔ (الجواہر المضیئہ ص ۲۹۰ بحوالہ مقدمہ انوار الباری ص ۸۳ ج ۲)

علی زئی صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اسماعیل بن بشر مجہول ہے، تو عرض ہے کہ اگر یہ راوی مجہول بھی ہو تو اس کی وجہ سے روایت پر موضوع ہونے کا حکم محدثین کے قواعد کے مطابق نہیں لگ سکتا یہ صرف غیر مقلدانہ سوچ وفکر کا نتیجہ ہے۔

اس روایت میں جو بیان ہوا ہے کہ یہ حضرات امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتے جاتے تھے اور مسائل دریافت کرتے تھے تو یہ کوئی بعید نہیں ہے اس لئے کہ عبدالملک بن ابی سلیمان کوفہ ہی کے رہنے والے تھے ایک ہی شہر میں رہنے والے محدث کا شہرت یافتہ فقیہ اور امام کے پاس جانا کون سی بعید بات ہے، اور زکریا بن ابی زائدہ تو مسانید میں امام ابوحنیفہؒ سے روایت بھی کرتے ہیں (مقدمہ انوار الباری ص ۲۰۸ ج ۱) انہوں نے اپنے بیٹے یحییٰ سے کہا تھا یا بنی علیک بالنعمان بن ثابت (مقدمہ اعلاء السنن ص ۸۶ ج ۳) اے میرے بیٹے نعمان بن ثابت کو لازم پکڑ، اور ان کے بیٹے تو امام صاحب کے نامور تلامذہ میں سے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۳ ج ۱) جب روایت موضوع بھی نہیں بلکہ سند کے لحاظ سے کسی قدر کمزور ہے اور اس کو قبول کرنے کے قرائن بھی موجود ہیں تو اس کو قبول کرنا نہ کوئی جرم ہے اور نہ ہی یہ حضرات محدثین کرام کے قواعد کے خلاف ہے۔

آٹھویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان نے لکھا ہے چنانچہ امام صدر الائمہ مکی امام حسن بن زیاد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار صرف حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے (مناقب موفق ص ۹۶ ج ۱) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۶) علی زئی صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت تین وجہ سے موضوع ہے، اول آل تقلید کا صدر الائمہ رافضی اور معتزلی تھا

دیکھئے روایت نمبر ۷، دوم موفق رافضی ومعتزلی اور حسن بن زیاد اللؤلؤی کے درمیان سند غائب ہے، اس رافضی کی پیدائش سے پہلے حسن بن زیاد مر گیا تھا لہٰذا اس روایت کی سند کہاں ہے؟ سوم حسن بن زیاد مشہور کذاب تھا۔ (ص ۲۰، ۲۱)

الجواب

اہل علم کے قوانین کی روشنی میں علی زئی صاحب کی بیان کردہ وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ بھی روایت کے موضوع قرار دینے کا سبب نہیں بنتی، پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اگر صدر الائمہ کا رافضی اور معتزلی ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس کی وجہ سے روایت موضوع نہیں بنتی، پھر امام صاحب کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کہا گیا ہے اور کثرت سے حدیث بیان کرنے والا کہا گیا ہے، ان کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار کے قریب بتائی گئی ہے اور وہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی خدمت میں بیس سال کے قریب رہے ہیں تو ایسی صورت میں حماد سے دو ہزار روایات کرنا اور دیگر اساتذہ سے دو ہزار روایات کرنا کوئی بعید بات نہیں ہے اور پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ روایت کو سند ضعیف کے باوجود صحت کے قرائن پائے جانے کی وجہ سے اور تلقی بالقبول کی وجہ سے تسلیم کیا جاتا ہے (مقدمہ اعلاء السنن ص ۳۹ ج ۱) پھر علی زئی صاحب نے بدترین تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسن بن زیاد کو مشہور کذاب کہا حالانکہ وہ تو مستدرک حاکم کے راوی ہیں جس کی تخریج صحیحین کی شرط پر کی گئی ہے اور صحیح ابوعوانہ کے بھی راوی ہیں جس کی تخریج صحیح مسلم کی شرط پر کی گئی ہے جو راوی شیخین یعنی بخاری اور مسلم کی شرط پر پورا اترتا ہو اس کو کذاب وہی کہہ سکتا ہے جس کی آنکھوں پر تعصب اور جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہو، پھر علی زئی صاحب نے امام حسن بن زیاد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا نیز ایک دفعہ ایک سچے امام نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا کہ اس نے نماز میں سجدہ کے دوران میں ایک لڑکے کا بوسہ لے لیا تھا، ایسے گندے کذاب کی روایت سے سرفراز خان کڑمنگی نے استدلال کر کے اپنے بارے میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ علم وتحقیق اور انصاف سے یہ شخص (سرفراز خان) بہت دور تھا اور ترویج اکاذیب میں بہت مصروف تھا (ص ۲۱۔۲۲) امام حسن بن زیاد پر جن الزامات کا ذکر علی زئی صاحب نے کیا ہے ان الزامات کی تردید اور الزامات والی روایات

کا جواب علامہ کوثریؒ نے تانیب الخطیب ص ۲۴۷ میں دیا ہے کہ یہ من گھڑت روایات ہیں اسی طرح لکھا کہ جن روایات میں یحییٰ بن معین اور یعقوب بن سفیان وغیرہ سے امام حسن بن زیاد کی تضعیف وتکذیب نقل کی گئی ہے وہ روایات بھی جھوٹے، متعصب اور مردود القول راویوں سے ہیں اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس شخصیت کو علی زئی صاحب نے گندا اور کذاب کہا ہے اس کا ذکر اہل علم محدثین نے بہترین الفاظ میں فرمایا ہے، حافظ احمد بن عبدالحمید فرماتے تھے کہ میں نے حسن بن زیاد سے زیادہ اچھے اخلاق والا کسی کو نہیں دیکھا، اور امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن آدم نے کہا کان محبا للسنة واتباعها (مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۴۳۔۱۴۴ ج ۳) کہ حسن بن زیاد سنت سے محبت رکھنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے تھے۔

نویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے امام ابوزکریا یحیی بن معین سے دریافت کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔ (جامع بیان العلم ص ۱۴۹ ج ۲) (مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۸) اس عبارت پر علی زئی صاحب نے دو اعتراض کئے ہیں، ایک یہ کہ اس کا راوی محمد بن الحسین الازدی ضعیف ہے اور دوسرا یہ کہ ازدی نے امام ابن معین تک کوئی سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ بے سند و مجروح روایت موضوع ہے۔ (ص ۲۲)

علی زئی صاحب کے یہ دونوں اعتراض حضرات محدثین کرام کے قواعد کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے کا نتیجہ ہیں ورنہ ان کو نظر آ جاتا کہ الازدی اتنا ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روائت کو موضوع قرار دیا جاتا پھر ان کو محدثین کرام کا یہ طریق بھی نظر آ جاتا کہ وہ ایک روایت کو باسند نقل کرنے کے بعد اسی مفہوم کی منقطع اور کمزور روایت کو بھی بعض دفعہ نقل کر دیتے ہیں، علامہ ابن البرؒ محدث ہیں اور محدثین کرام کے طریق سے واقف بھی ہیں اس لئے انہوں نے پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی فقیل له اكان ابو حنيفة يكذب فقال كان انبل من ذالك (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۴۹ ج ۲) یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ جھوٹ بولتے تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ اس سے بہت بلند شان تھے، اگلی روایت کا مفہوم بھی اسی کے مطابق ہے اس لئے اس کمزور اور منقطع روایت کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کرام

کے طریق کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے جبکہ امام ابن معین سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کان ابو حنیفۃ ثقۃ فی الحدیث (تہذیب التھذیب ص ۴۵۰ ج ۱۰) امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے اور فن حدیث سے معمولی مناسبت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حدیث میں ثقہ وہی ہوتا ہے جو سچا ہو۔

دسویں عبارت اور اس پر اعتراض

علی زئی صاحب لکھتے ہیں سرفراز خان نے کہا حضرت روح بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریج کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر آ گئی ابن جریج نے اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ فرمایا ای علم ذہب (بغدادی ص ۳۳۸ ج ۱۳) کتنا بڑا علم رخصت ہو گیا (مقام ابی حنیفہ ص ۷۱، ۷۲) اس پر اعتراض کرتے ہوئے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس کا راوی ابومحمد عبداللہ بن جابر ذاہب الحدیث اور منکر الحدیث ہے وہ حدیث میں گیا گزرا ہے وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی توثیق نہیں ملی، اور اس کے شاگرد ابوالحسن احمد بن جعفر کی توثیق نہیں ملی یعنی وہ بھی مجہول تھا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ (ص ۲۲، ۲۳)

علی زئی صاحب کا اس روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگانا جہالت یا آنکھوں پر تعصب کی پٹی کی وجہ سے ہے، حضرات محدثین کرام کا قاعدہ ہے کہ کسی روایت کے مفہوم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حکم اس کے بارہ میں تمام طرق کو ملحوظ رکھ کر لگایا جاتا ہے کسی ایک طریق کو پیش نظر رکھ کر حکم لگانا جہالت اور بددیانتی ہوتی ہے، امام ابن جریج کے اسی قول کو امام ابن عبدالبر المالکی نے الانتقاء ص ۲۰۹ میں اپنی ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں نہ عبداللہ بن جابر ہے اور نہ ہی اس کا شاگرد ابوالحسن ہے، جب اس کی سند اور بھی ہے تو اس روایت کو موضوع قرار دینا نری جہالت اور سراسر تعصب کا مظاہرہ ہے۔

علی زئی صاحب کا ایک اور اعتراض

علی زئی صاحب نے اپنے اس مضمون کے آخر میں اعتراض کیا ہے کہ محمد بن اسحاق (جو کہ ابن الندیم کے لقب سے مشہور ہے) معتزلی اور شیعہ تھا، اس شیعہ معتزلی رافضی کی توثیق کسی قابل اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے مگر سرفراز خان صفدر نے بار بار اس کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

الجواب

ابن الندیم کے اقوال سے استدلال کسی فقہی مسئلہ یا فن حدیث کے متعلق نہیں کیا گیا بلکہ ایک مؤرخ کی حیثیت سے تاریخی واقعات میں کیا گیا ہے اور جو شخص جس فن کا ماہر ہو اسی میں اس کی حیثیت کا اعتبار کیا جاتا ہے جب وہ مؤرخ ہے تو مؤرخین کی رائے ہی اس کے بارہ میں لی جائیگی کہ وہ اس کو کیا درجہ دیتے ہیں یہ کہنا کہ اس کی توثیق کسی قابل اعتماد محدث سے ثابت نہیں یقیناً یہ بات اہل علم کے ہاں احمقانہ اور انتہائی مضحکہ خیز ہے، علی زئی صاحب کو اگر ابن الندیم سے تاریخی واقعات میں استدلال پسند نہیں اور اس پر ان کو غصہ آتا ہے تو پہلے اس سے زیادہ جرم کے مرتکب اپنے ہم مسلک مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا گریبان پکڑیں جنہوں نے ابن اندیم کی اسی فہرست نامی کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی خدمت سرانجام دی ہے اور اسکی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

علی زئی صاحب کا عام مسلمانوں کو مشورہ

اسی مضمون کے آخر میں علی زئی صاحب حضرت امام اہل سنتؒ کی کتابوں سے تنفر دلانے کے لئے لکھتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ سرفراز خان صفدر کی کتابوں میں علمی وتحقیقی وفنی کمالات کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا بلکہ جھوٹی روایات اور غیر ثابت اقوال پھیلانے کا بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا ہے لہٰذا عام مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں اور اپنی آخرت خراب نہ کریں۔

الجواب: حضرت امام اہل سنتؒ کی کتابوں کی افادیت کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا ہے، علی زئی صاحب نے صرف اپنے تعصب اور حسد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا کہا ہے ورنہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت امام اہلسنت کی کتابوں سے ہزار ہا لوگوں نے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں اور یہ کتابیں عالم اسباب میں بہت سے حضرات کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنی ہیں، اس لئے جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت ہے ان کو ضرور ہدایت ملے گی، علی زئی صاحب اور ان جیسے حضرات کے تنفر دلانے سے کچھ نہیں بنے گا اس لئے کہ **لا تسمعوا لھذا القران والغوا فیہ** کا حربہ پرانا چلا آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یاالٰہ العالمین۔